Fikr-o-Nasar (Islamabad) 32:4 (1995)

نہرو کمیٹی رپورٹ اور علماء کی سیاسی فکر

سید عبدالصمد پیرزادہ ☆

برطانوی ہند (۱۸۵۷ - ۱۹۴۷) عہد کے محققین کی اکثریت اس امر پر متفق ہے کہ نہرو کمیٹی رپورٹ (۱۹۲۸) نے برصغیر کی ہندو اور مسلم تقسیم میں اہم کردار ادا کیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگریس کے حوالے سے اس ضمن میں خاطر خواہ علمی کام منظر عام پر آ چکا ہے مگر علماء کی فکر سے متعلق اس کے تاریخی پہلو ابھی تک تشنہ ہیں موجودہ مقالے میں نہرو کمیٹی رپورٹ کے برصغیر ہند کی تاریخ پر مرتب ہونے والے اثرات کو علماء کی سیاسی فکر و طرز عمل کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ تحریک پاکستان کے فیصلہ کن مرحلے میں علماء کے کردار کو سمجھا جا سکے۔

برصغیر جنوبی ایشیا میں دور جدید کی سیاست میں علماء نے اس صدی کے اوائل سے حصہ لینا شروع کیا۔ اس کا آغاز ۱۹۱۳ء میں انجمن خدام کعبہ کے قیام سے ہوا۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران سلطنت عثمانیہ کی سالمیت کو زبردست خطرہ درپیش تھا۔ ترکوں کے خلاف سلطنت عثمانیہ کے عرب صوبوں میں جو آزادی کی تحریک چل رہی تھی اس کا منتہائے مقصود خلیفۃ الاسلام کی علاقائی حدود کو صرف ترکی تک محدود کرنا تھا۔ جزیرۃ العرب میں واقع اماکن مقدسہ کے سیاسی مستقبل کی صورت کیا ہو گی اس کا انحصار فاتحین کی مرضی پر موقوف تھا۔ جو نہ صرف مسلمان دشمنی میں سراپا قہر و غضب بن چکے تھے بلکہ انہوں نے یہودیوں کے ساتھ بھی ساز باز کر رکھی تھی جو اپنے لئے ایک خطہ زمین کے حصول کیلئے تگ و دو کر رہے تھے۔ انجمن خدام کعبہ کے مندرجہ ذیل مقاصد متعین کئے گئے:

۱۔ مکہ اور دیگر اماکن مقدسہ کو غیر مسلم دستبرد سے محفوظ رکھنا اور مسلمانوں میں عالمگیر

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ تاریخ، گورنمنٹ کالج سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

اخوت اجاگر کرنا۔

۲۔ پان اسلام ازم کو فروغ دینا۔

۳۔ مسلمانوں کو غیر مسلم مداخلت کے خلاف منظم کرنا۔

۴۔ ترکی کی سیاسی قوت میں اضافہ کرنا۔

انجمن نے جس کی قیادت مولانا عبدالباری فرنگی محلی (۱۸۷۸ ۔ ۱۹۲۶) کر رہے تھے اپنی آمدنی کا نصف مقامات مقدسہ سے متعلق اپنے لائحہ عمل پر صرف کرنے کا فیصلہ کیا۔ مولانا محمد علی جوہر (۱۸۷۸ ۔ ۱۹۳۱) اور مولانا شوکت علی (۱۸۷۳ ۔ ۱۹۳۸ء) اس کے روح رواں تھے (۱) ۔ اختتام جنگ پر ترکوں کو شکست کی قیمت کے طور پر تمام عرب صوبوں سے محروم ہونا پڑا۔ اسی دوران ہندوستان میں تحریک خلافت شروع کی گئی جس کے اغراض و مقاصد میں فاتح اقوام کو اس بات پر مجبور کرنا تھا کہ میسوپوٹیمیہ (عراق) عرب، شام و فلسطین اور ان میں موجود مقامات مقدسہ خلیفتہ الاسلام کے زیر اقتدار رہیں اور دولت عثمانیہ کی علاقائی حدود میں کوئی کمی نہ کی جائے (۲) ۔ انہی دنوں جمعیت علماء ہند کا قیام عمل میں لایا گیا اور پہلے اجلاس منعقدہ امرتسر ۱۹۱۹ء میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی صدر منتخب ہوئے (۳) ۔ جمعیت کے اغراض و مقاصد درج ذیل تھے:

الف ۔ ہر قسم کے خارجی اثرات کی (جن سے مذہب اسلام یا مشترکہ اسلامی قومیت کی تضعیف یا توہین ہوتی ہو) شرعی احکام کے مطابق مدافعت کرنا۔

ب۔ مشترکہ مذہبی حقوق کی نگہداشت اور مشترکہ مذہبی و ملکی ضروریات کی تحصیل میں کوشش کرنا۔

ج۔ عامہ اہل اسلام کی مذہبی نقطہ نظر سے سیاسی رہنمائی کرنا۔

د۔ مشترکہ مذہبی و قومی اغراض میں مسلمانوں کو متحد رکھنے کی کوشش کرنا۔

ہ۔ غیر مسلم برادران وطن کے ساتھ بتقاضائے فطرت و باتباع احکام شریعت، ہمدردی و اتفاق کو فروغ دینا۔

و۔ شرعی امور میں مقدمات کے فیصلے کے لئے محکمہ دارالقضاء قائم کرنا (۴) ۔

تحریک خلافت میں بریلوی اور شیعہ مسلک کے مسلمانوں نے عمومی طور پر حصہ نہیں لیا۔ تحریک

خلافت کی ناکامی کے بعد ہندوستانی سیاست میں صرف جمیعت علماء ہند اور آل انڈیا مسلم لیگ ہی سیاسی منظر پر رہ گئیں ۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء جس میں سرکار برطانیہ نے دس برس کے بعد جس میں مزید آئینی بہتری کے ممکنات کا جائزہ لینا تھا اس میں عجلت کر دی اور اس مقصد کے لئے سائمن کمیشن قائم کیا گیا۔ ہندوستانی سیاسی حلقوں نے سائمن کمیشن (جس میں کوئی ہندوستانی رکن شریک نہیں تھا) کی تشکیل پر اپنے گہرے غم و غصے کا اظہار کیا اور نتیجۃً سیاسی تنظیموں نے اپنے طور پر ذمہ دار حکومت کے قیام کے لیے متفقہ آئین مرتب کرنے کی غرض سے ۱۲ فروری ۱۹۲۸ء کو دہلی میں کانگریس کی دعوت پر ایک کل جماعتی کانفرنس منعقد کی جس میں نو رکنی نہرو کمیٹی کو سفارشات مرتب کرنے کا کام سونپا گیا۔

اپنی سفارشات میں نہرو کمیٹی نے جداگانہ انتخابات کو ہندوستانی مفادات کے خلاف قرار دیا۔ پنجاب اور بنگال میں آبادی کے لحاظ سے نشستوں کے تحفظ کو فرقہ واریت کے تسلیم کرنے کے مترادف قرار دے کر مسترد کر دیا۔ تاہم مسلم اقلیتی صوبوں میں نشستوں کے تحفظ کی سفارش کر دی۔ کمیٹی نے پنجاب' سرحد' بلوچستان اور سندھ کو باہم ایک صوبے میں مدغم کرنے کو خارج از امکان قرار دیا کیونکہ اس سے مستقبل کی مسلم ریاست کا وجود دکھائی دے رہا تھا۔ مرکزی قانون ساز اسمبلی میں ایک تہائی کے بجائے ایک چوتھائی نشستوں کا تخصص' وحدانی طرز حکومت جس میں ماںقی اختیارات مرکز کے پاس ہوں' مان ٹیگو چمس فورڈ اصلاحات کے تحت اضافی نمائندگی (Weightage) کے اصول کی نفی' بالغ رائے دہی کے نظام کا رائج کرنا اور سندھ کی بمبئی سے علیحدگی (جس کی مشروط منظوری کی سفارش کی گئی) نہرو رپورٹ کے دوسرے اہم نکات تھے۔ (۵) نہرو کمیٹی رپورٹ شائع ہونے پر مسلمانوں نے اس کی پر زور مخالفت کی اور اسے ہندو حکمرانی کا منصوبہ قرار دیا۔ اس دوران محمد علی جناح (۱۸۷۶ ـ ۱۹۴۸) اور مولانا محمد علی جوہر یورپ میں تھے اواخر ۱۹۲۸ء میں وہ واپس ہندوستان آ گئے۔ نہرو کمیٹی رپورٹ پر مسلمانوں کے رد عمل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی بڑے پیمانے پر حمایت حاصل کرنے کے لئے صدر نہرو کمیٹی' پنڈت موتی لال نہرو (رپورٹ کی اشاعت کے بعد جن کے سیاسی قد کاٹھ میں اضافہ ہوا اور انہیں کانگریس کا صدر منتخب کر لیا گیا) نے کلکتہ میں ۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو آل پارٹیز کنونشن طلب کیا۔ کنونشن نے نہرو کمیٹی رپورٹ کا جائزہ لیا' آل انڈیا مسلم لیگ نے مسلم مفادات کو رد کرنے کی وجہ سے اسے

مسترد کر دیا۔ (۶)

نہرو کمیٹی رپورٹ سے پیدا ہونے والی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے ۱۰ جنوری ۱۹۲۹ء کو دہلی میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد ہوئی' آغا خان نے صدارت کی اس میں خلافت کمیٹی' جمعیت علماء ہند اور آل انڈیا مسلم لیگ (سر محمد شفیع گروپ) نے شرکت کی۔ کانفرنس نے ہندوستان کے سیاسی ڈھانچے سے متعلق ایک تفصیلی چودہ نکاتی قرار داد منظور کی قرار داد کے مویدین میں مفتی محمد کفایت اللہ (۱۸۷۵ - ۱۹۵۲ء)' ڈاکٹر سر محمد اقبال (۱۸۷۷ - ۱۹۳۸ء)' سر محمد شفیع' مولانا شفیع داودی' سر محمد یعقوب اور مولانا محمد علی شامل تھے۔ جمعیت علماء ہند نے رپورٹ کا جائزہ لینے کے لیے الگ سے ایک کمیٹی بھی تشکیل دی' مفتی محمد کفایت اللہ' مولانا حسین احمد مدنی (۱۸۷۴ - ۱۹۵۷) ' مولانا حسرت موہانی (۱۸۷۷ - ۱۹۵۱) ' مولانا ابو المحاسن محمد سجاد اور مولانا احمد سعید (و ۱۹۶۰ء) اس کے رکن تھے۔

اس کمیٹی کی رپورٹ مجلس عاملہ کی منظوری کے بعد شائع کر دی گئی۔ جمعیت نے مسلمانوں کے سیاسی و اقتصادی حقوق کی حفاظت کے لئے مندرجہ ذیل چودہ نکات کو ملک کے دستور میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا:

۱۔ حق رائے دہندگی کا ایسا طریقہ قائم کیا جائے کہ ہر قوم کو اس کی تعداد کے موافق رائے دہندوں کی تعداد حاصل ہو جائے۔ ہم ہندوستان کی موجودہ حالت میں حق رائے دہندگی کی توسیع تمام بالغوں کے لئے ناقابل عمل پاتے ہیں اس لئے ہماری قطعی رائے ہے کہ اس حق کو صرف بالغ مردوں تک محدود رکھا جائے۔

۲۔ پنجاب و بنگال کی اکثریت کی پوری طرح حفاظت کر دی جائے کیونکہ وہ بہت تھوڑی تعداد کی اکثریت ہے۔

۳۔ صوبہ سرحد و بلوچستان میں اصلاحات کے نفاذ اور دوسرے صوبوں کے طرز حکومت کے موافق ان دونوں میں قیام حکومت کے لئے فوراً متفقہ سعی شروع کر دی جائے اور اس سعی کو کسی دوسری چیز پر مشروط نہ رکھا جائے۔ کیونکہ یہ بہرحال باشندگان صوبہ سرحد و بلوچستان کا واجبی حق ہے۔

۴۔ صوبہ سندھ کی علیحدگی بلا شرط تسلیم کر لی جائے کیونکہ یہ کانگریس کے دستور اساسی میں

مدت سے تسلیم کی جا چکی ہے اور زبان کے لحاظ سے وہ بہرحال مستحق ہے اور وہاں کی اکثریت اس کا پر زور مطالبہ کر رہی ہے۔

۵۔ مرکزی مجلس قانون اور قوت عاملہ میں مسلمانوں کو ایک ثلث نشستیں دی جائیں۔ اس مطالبہ کے خلاف کہا جاتا ہے کہ یہ نیابت تناسب آبادی کے اصول کے خلاف ہے نیز ایک ثلث نشستیں مل جانے پر بھی مسلم اقلیت' اقلیت ہی رہے گی اسلئے اس مطالبہ پر اصرار بیکار ہے۔ پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مسلمان قوم کو اس وقت یہ حق حاصل ہے اور وہ اسے قائم رکھنا چاہتے ہیں اور غیر مسلموں پر اس کا کوئی ناگوار اثر نہیں پڑے گا نہ ان کو اپنے حقوق کے خطرہ میں پڑنے کا اس سے کوئی اندیشہ پیدا ہوتا ہے۔ اسلئے اس کو تسلیم کر لینا حب وطن کے لئے ضروری ہے اور جبکہ نہرو کمیٹی نے مسلم اقلیتوں کے لئے ان کی آبادی کے لحاظ سے نشستیں محفوظ کر دینے کے ساتھ بھی یہ موقع رکھا ہے کہ وہ مزید نشستوں کے لئے مقابلہ کریں اور تناسب آبادی سے زیادہ نشستیں حاصل کر لیں تو مزید نشستوں کو مقابلہ کر کے حاصل کر لینے کا جواز تسلیم کر لینے کی صورت میں پہلے سے باہمی سمجھوتے سے اس کے حصول کی کوشش کوئی غیر معقول نہیں ہے اور اگر ہندو مقابلہ میں ہار کر مسلمانوں کے لئے مزید نشستیں دے دینے کے لئے تیار ہیں تو ان کو خوشی سے اتنی نشستیں دے دینا جس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا زیادہ قرین عقل ہے۔

جہاں تک دوسرے اعتراض کا تعلق ہے یہ صحیح ہے کہ ایک تہائی بن کر بھی مسلمان اقلیت ہی میں رہیں گے لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ بجائے ۲۵ کے ۳۳ ممبر اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے اکثریت سے زیادہ اپیل کر سکیں گے اور اس صورت میں ان کی کسی قدر زیادہ ڈھارس بندھی رہے گی۔

۶۔ یہ قاعدہ تسلیم کر لیا جائے کہ کسی قانون ساز مجلس میں کوئی مسودہ قانون' تجویز یا ترمیم یا اضافہ پیش نہ ہو سکے گا اگر مسلم یا غیر مسلم جماعتوں کے تین چوتھائی ارکان اس کو اپنی ملت کے مفاد کے خلاف قرار دیں۔

۷۔ صوبوں کی مسلم اقلیتوں کو باہمی سمجھوتے سے اگر اکثریت کوئی رعائت دے تو اسی نسبت سے غیر مسلم اقلیتیں بھی اپنے صوبوں میں رعائت کی مستحق ہونگی اور اس باہمی مفاہمت کا دروازہ

کھلا رکھنا چاہیے بشرطیکہ کوئی اکثریت اقلیت میں تبدیل نہ ہو جائے۔

۸۔ اقلیتوں کی نشستوں کو محفوظ کر دینے کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ اس کو دس سال کے ساتھ مقید نہ کیا جائے بلکہ اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک اقلیتیں اس کو ضروری سمجھیں۔

۹۔ ملازمتوں کے لئے ایک کم از کم معیار قابلیت معین کر دیا جائے تاکہ خوش اسلوبی سے کام ہو سکے اور پھر اس معیار کے ماتحت ہر قوم کو اس کی تعداد کے موافق اعلیٰ اور ادنیٰ ہر قسم کی ملازمتوں میں حصہ دیا جائے۔

۱۰۔ ہر ملت کو اس کی تعلیم و تہذیب کو فروغ دینے کے لئے سرکاری امداد میں اس کی آبادی کے تناسب سے حصہ دیا جائے اور اس ملت کی تعلیم کا انتظام اسی ملت کے افراد کے سپرد کر دیا جائے۔

۱۱۔ حلقہ ہائے انتخاب ایسے طریقے سے قائم کئے جائیں کہ اکثریت کی حیثیت پر کوئی ناگوار اور مضر اثر نہ پڑے۔

۱۲۔ دولت متحدہ کی سرکاری زبان ہندوستانی ہو گی جس کا رسم الخط اردو اور ہندی ہو گا۔

۱۳۔ نیابت متناسبہ کے مذکورہ بالا اصول تمام انتخابی مجالس میں جاری ہوں گے۔

۱۴۔ جب تک یہ تمام ضمانتیں دستور اساسی میں داخل نہ ہو جائیں گی اس وقت تک مسلمان انتخاب جداگانہ سے دست بردار نہ ہوں گے اور دستور اساسی کو قبول نہ کریں گے۔ (۷)

نہرو کمیٹی رپورٹ سے متعلق (جو ۱۷ اگست ۱۹۲۸ء کو شائع ہوئی) مسلمانوں نے تین مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے تبصرہ کیا۔ سب سے پہلے جمعیت علماء ہند نے ۱۷ اگست ۱۹۲۸ء کو اپنی درج بالا چودہ نکاتی تجویز پیش کی۔ جو بعد ازاں تنقید و تبصرہ کے عنوان سے شائع کر دی گئی ۔ آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقدہ دہلی ۱۰ جنوری ۱۹۲۹ء نے بھی ایک چودہ نکاتی تجویز پیش کی۔ اس کانفرنس میں خلافت کمیٹی، جمعیت علماء ہند اور آل انڈیا مسلم لیگ (سر محمد شفیع گروپ) شریک ہوئیں۔ کانفرنس کے روح رواں مولانا محمد علی تھے اور صدارت سر آغا خان نے کی۔ آل انڈیا مسلم لیگ (جناح گروپ) نے بھی مارچ ۱۹۲۹ء میں منعقدہ دہلی میں اپنے اجلاس میں چودہ نکاتی

تجویز پیش کی جو قائداعظم کی تقریر پر مبنی تھی۔ (۸) ان تینوں تجاویز کو مدنظر رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قائداعظم اور مسلم کانفرنس کی قرار دادوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا' سوائے اس کے کہ اس میں تجویز "مرکز یا صوبے میں کسی وزارت میں مسلمانوں کی ایک تہائی نمائندگی" شامل نہیں تھی البتہ جمعیت کی تجویز اور متذکرہ بالا دونوں تجاویز میں نمایاں فرق تھا۔ جمعیت کی تجویز نمبر ۱' ۵' ۱۰' ۱۲' ۱۳' ۱۱ اور ۱۴ مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس سے مختلف تھیں۔ مسلمان پردہ دار خواتین کے حق رائے دہی کے عدم استعمال کے باعث اس حق کو مردوں تک محدود رکھنے' اقلیتوں کی نشستوں کو دس سال تک محفوظ رکھنے سے مشروط نہ رکھنے' ہر ملت کے تہذیبی فروغ کے لیئے وسائل کی فراہمی' اردو کو (ہندی اور اردو رسم الخط میں) سرکاری زبان کی حیثیت سے اپنانے اور نیابت متناسبہ کی ان تجاویز پر مبنی اصولوں کا تمام انتخابی مجالس پر اطلاق جیسے تحفظات کی موجودگی سے جمعیت کی تجویز زیادہ جامع اور دور رس اثرات کی حامل تھی۔

الغرض نہرو کمیٹی کے بالعموم اور ۲۸ اگست ۱۹۲۸ء کو منعقد ہونے والی کانفرنس کے بالخصوص مسلم دشمنی پر مبنی رویے کے پیش نظر مسلم لیگ نے ہندوستان کی دستوری زندگی میں اپنی راہ جدا کرلی۔ کانفرنس کی کارروائی کے دوران جمعیت علماء ہند نے ہندوستان کو نو آبادی طرز کی آزادی Dominion Status سے متعلق ایک قرار داد کی تائید سے معذوری ظاہر کرلی۔ جمعیت کے مندوب مفتی محمد کفایت اللہ نے اپنے موقف کااظہار کرتے ہوئے کہاکہ جمعیت علماء کا نصب العین کامل آزادی ہے۔ (۹) سائمن کمیشن کی رپورٹ شائع ہونے سے قبل حکومت برطانیہ نے برطانوی ہند کی تمام سیاسی جماعتوں اور والیان ریاست کو گول میز کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔ لندن میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس کا مقصد آئینی مسائل کا جائزہ لینا تھا۔ ادھر کانگریس جس نے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء تک نہرو رپورٹ کو بحیثیت دستور ہند رائج کرنے کا مطالبہ کر رکھا تھا اور اس کی عدم منظوری کی صورت میں کامل آزادی کے لئے سول نافرمانی کی مہم چلانے کی دھمکی دے رکھی تھی وائسرائے کے گول میز کانفرنس کے انعقاد سے متعلق اعلان (۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء) سے راضی نہ ہوئی اور اس نے مارچ ۱۹۳۰ء میں کامل آزادی کے لیئے سول نافرمانی کی مہم شروع کردی۔ مولانا محمد علی جوہر نے کانگریس کے اس اقدام کو مسلمانوں کے خلاف سازش سے تعبیر کیا۔ اس نازک مرحلے پر ہندوستان کی دو بڑی مسلم سیاسی جماعتیں آل انڈیا مسلم لیگ اور

جمعیت علماء ہند ہمیشہ کے لیئے ایک دوسرے سے اجنبی ہو گئیں اور ان کے درمیان "کامل آزادی" کی آڑ میں جنم لینے والے اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہو گئی۔

کانگریس کے کامل آزادی سے متعلق نصب العین کے بعد جمعیت علماء ہند نے اپنے اجلاس منعقدہ امروہہ (۵ مئی ۱۹۳۰ء) میں کانگریس جمعیت علماء ہند اتحاد کا فیصلہ کیا جمعیت کا موقف یہ تھا' چونکہ نیشنل کانگریس نے مکمل آزادی کا اعلان آکر دیا ہے جو جمعیت علماء ہند کا پہلے سے نصب العین ہے اور نہرو رپورٹ کو جس سے جمعیت نے شدید اختلاف کیا تھا (جیسا کہ تنقیدی رپورٹ سے ظاہر ہے) کالعدم کر دیا ہے اور ایک تجویز میں یہ بھی طے کر دیا ہے کہ آئندہ کوئی دستور اساسی اس وقت تک کانگریس کے لیئے قابل قبول نہ ہو گا جس سے اقلیتیں پورے طور پر مطمئن نہیں ہونگی اس لیئے جمعیت علماء ہند کے اس اجلاس کے نزدیک بحالات موجودہ مسلمانوں کے لیئے کانگریس سے علیحدہ رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ (۱۰) قرار داد کے محرک مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی (۱۹۰۱ء - ۱۹۶۲ء) اور مویدین مولانا حسین احمد مدنی' مولانا سید سلیمان ندوی (۱۸۸۵ - ۱۹۵۳ء)' مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد' مولانا احمد علی' مولانا عبداللہ بٹالوی اور مولانا عبدالرحمن جالندھری تھے۔ جمعیت علماء ہند کا کانگریس کے نعرہ کامل آزادی سے متاثر ہو کر اس کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر کام کرنا برصغیر ہند کی تاریخ کا بالعموم اور تحریک پاکستان کا بالخصوص ایک اہم موڑ تھا' جس کے نتیجے میں علماء اور کانگریس کے سیاسی اتحاد کا آغاز ہوا۔ اگرچہ اس کا ٹھوس پس منظر بھی تھا جمعیت علماء ہند کی قیادت کو انگریز دشمنی ورثے میں ملی تھی جمعیت کے تقریباً تمام اکابرین اور رہنماؤں نے انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی میں مصائب و آلام جھیلے تھے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۸۳۲ - ۱۸۸۰)' مولانا محمد مظہر نانوتوی' مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۸۲۸ - ۱۹۰۵ء)' مولانا محمود حسن (۱۸۵۱ - ۱۹۲۰ء)' مولانا عبیداللہ سندھی (۱۸۷۲ - ۱۹۴۴ء)' علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۸۸۵ - ۱۹۴۹)' مولانا احمد سعید سبھی نے وقتاً فوقتاً ہندوستان سے انگریزی اقتدار کے خاتمے کے لیئے کوششیں کیں' لہٰذا جب کانگریس نے انگریز کو اپنا اور جمعیت کا مشترک دشمن بنا کر پیش کیا تو دیوبندی علماء نے اپنے باہمی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر متحدہ سیاسی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ دوسری طرف مسلم لیگ آزادی کے نعرے کے پیچھے کانگریس کے عزائم بھانپ چکی تھی۔ یاد رہے کہ مجلس احرار پہلے ہی نہرو رپورٹ کی حمایت کر چکی تھی۔ مولانا حبیب

الرحمن نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ نہرو رپورٹ کے "حمایتی طیب اور مخالفین خبیث ہیں"۔ (۱۱)

بہرحال نہرو رپورٹ ہندوستان کے سیاسی و آئینی مسائل کا حل پیش کرنے سے قاصر رہی۔ سائمن کمیشن کا انجام بھی ناکامی ہی رہا۔ بعد ازاں گول میز کانفرنس (۳۲ ـ ۱۹۳۱ء) اور کمیونل ایوارڈ (۱۶ اگست ۱۹۳۲ء) بھی مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیئے کوئی قابل قبول لائحہ عمل فراہم نہ کر سکے۔ چنانچہ اس سارے آئینی ارتقاء کو پیش نظر رکھتے ہوئے برطانوی حکومت نے ایک مسودہ قانون برطانوی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں میں ۱۹ فروری ۱۹۳۵ء کو پیش کیا جو منظوری کے بعد قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء بن گیا۔ اس کے تحت ہندوستان میں انتخابات ہونا قرار پائے۔ انتخابات میں حصہ لینے کے لیئے آل انڈیا مسلم لیگ، جمعیت علماء ہند، مجلس احرار اسلام، پرجا پارٹی اور خلافت کمیٹی کے زعماء نے قائداعظم محمد علی جناح کی زیر قیادت آل انڈیا مسلم لیگ مرکزی پارلیمنٹری بورڈ قائم کیا۔ چون رکنی بورڈ میں درج ذیل سترہ علماء شامل تھے۔ (۱۲)

نام صوبہ	نام رکن
یوپی	مولانا سید حسین احمد مدنی
	مولانا شوکت علی
سندھ	مولانا محمد صادق کھڈہ، کراچی
	مولانا حکیم فتح محمد شیروانی
پنجاب	مولانا محمد اسحاق خان مانسہروی
	مولانا عبدالقادر قصوری
	مولانا سید شاہ زین الدین
شمالی مغربی سرحدی صوبہ	مولانا عبدالرحیم غزنوی
	مولانا اللہ بخش یوسفی
بہار	مولانا سجاد پھلواری
	مفتی کفایت اللہ
	مولوی عبدالحفیظ
دہلی	مولانا احمد سعید

مدراس	مولانا سید مرتضیٰ بہادر
بنگال	مولانا محمد اکرم خان (۱۸۶۹ - ۱۹۶۸)
	مولوی مجیب الرحمن
سی پی	مولوی سید عبدالروف شاہ (و ۱۹۵۰ء) -(۱۳)

یہ ڈاکٹر ایچ بی خان مصنف برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار کی رائے ہے۔ فاضل مصنف نے آسام اور بمبئی کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ ہی تصدیق کی ہے کہ ان صوبوں سے بورڈ میں کوئی عالم نامزد نہیں کیا گیا' جبکہ آسام اور بمبئی سے بورڈ کے لئے دو اور چھ ارکان مقرر کئے گئے تھے جن کے نام مسلم لیگ کی طرف سے جاری ہونے والی فہرست میں شامل ہیں۔ (۱۴)

پارلیمنٹری بورڈ نے ہندوستان کے مسلم معاشرے میں علماء کی قدر و منزلت کو تسلیم کرتے ہوئے ایک قرار داد منظور کی جس میں شرعی امور میں جمعیت علماء ہند اور شیعہ مجتہدین کی رائے کا احترام کرنے کا فیصلہ کیا۔ (۱۵) بورڈ نے قائداعظم کو ۸-۱۱ جون ۱۹۳۶ء کے لاہور اجلاس میں متفقہ طور پر صدر منتخب کیا اور درج ذیل چودہ نکاتی منشور بھی منظور کیا:

۱۔ مسلمانوں کے مذہبی حقوق کا تحفظ کرنا' خالص مذہبی نوعیت کے امور میں جمعیت العلماء ہند اور مجتہدین کی رائے معتبر خیال کی جائے گی۔

۲۔ ظالمانہ قوانین کی تنسیخ کے لیئے بھرپور کوشش کرنا۔

۳۔ ایسے تمام امور کی مخالفت کرنا جن سے ہندوستان کے مفادات پر زد پڑتی ہے اور جن کے ذریعے یہاں کے عوام کی آزادی سلب کی جاتی ہے اور ملک کا استحصال کیا جاتا ہے۔

۴۔ مرکز اور صوبوں کے بے پناہ انتظامی تصرفات کو کم کرنا اور قومی تعمیر نو کے محکموں کو رقوم فراہم کرنا۔

۵۔ ہندوستان کی فوج کو قومی تحویل میں لینا اور فوجی اخراجات کم کرنا۔

۶۔ صنعتوں اور گھریلو دستکاریوں کو فروغ دینا۔

۷۔ کرنسی' کرنسی کے تبادلے اور قیمتوں میں باقاعدگی پیدا کرنا تاکہ ملک اقتصادی اعتبار سے ترقی کر سکے۔

۸۔ دیہی آبادی کی سماجی، تعلیمی اور اقتصادی ترقی۔

۹۔ زرعی قرضوں کی شرائط کو نرم بنانا۔

۱۰۔ ابتدائی تعلیم کو مفت اور لازمی قرار دینا۔

۱۱۔ اردو زبان اور رسم الخط کی حفاظت اور ترویج

۱۲۔ مسلمانوں کی عمومی حالت کو بہتر بنانا۔

۱۳۔ ٹیکسوں کے بوجھ کو کم کرنا۔

۱۴۔ ملک بھر میں صحت مند رائے عامہ اور سیاسی شعور بیدار کرنا۔ (۱۶)

یاد رہے کہ درج بالا چودہ نکاتی منشور قائداعظم، آل پارٹیز مسلم کانفرنس اور جمعیت علماء ہند (ہر ایک) کے چودہ نکات سے مختلف تھا جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ موخر الذکر (ہر دو) چودہ نکات کا مقصد ہندوستان کے آئینی ڈھانچے میں تبدیلی لانا تھا جس کے لیئے مسلمان اور ہندو حکومت برطانیہ سے گفت و شنید کر رہے تھے تاکہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کے تحت متوقع اصلاحات میں ان کو تسلیم کیا جائے۔ جب کہ چودہ نکاتی منشور کا محور ہندوستان میں نافذ سیاسی نظام میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی حالت بنانا مقصود تھا۔

جمعیت علماء ہند نے مسلم لیگ مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کے نامزد امیدواروں کی کامیابی کے لئے زبردست مہم چلائی۔ ڈاکٹر ایچ بی خان کے مطابق جمعیت علماء ہند کے ممتاز رہنما مولانا حسین احمد مدنی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ جو "(مسلمان) مسلم لیگ کے خلاف کام کرے گا یا مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ نہیں دے گا وہ حدیث و من شذ شذ فی النار- (ترجمہ :جو جماعت سے علیحدہ ہوگا وہ جہنم میں دھکیل دیا جائے گا) کے مطابق واصل جہنم ہوگا"۔ (۱۷)

ڈاکٹر خان کی یہ رائے مصنف کے لئے قابل قبول نہیں اولاً اس ضمن میں جمعیت علماء ہند کا کوئی مصدقہ حوالہ موجود نہیں ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (۱۹۰۲ - ۱۹۸۱ء) اور ضیاء الحسن فاروقی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ خود مولانا مدنی کی سوانح نقش حیات بھی اس سلسلے میں خاموش ہے۔ دوسرے قرار داد لاہور (۱۹۴۰ء) کی منظوری کے بعد مولانا مدنی نے جس بھرپور انداز سے قیام پاکستان کی مخالفت کا سلسلہ شروع کیا اس پس منظر میں مولانا کے ساتھ اس حدیث کو منسوب

کرنا تاریخی اعتبار سے درست نہیں لگتا۔ تیسرے انتخابات کے فوراً بعد ہی یو پی میں کانگریس کی وزارت کی تشکیل کے لئے جو سیاسی عمل معرض وجود میں آیا جس میں مسلم لیگ کو تہس نہس کرنے کی حتی الوسع کوشش کی گئی تھی اس میں مولانا مدنی کی کانگریس کے ساتھ سیاسی ہمدردی سے بھی ان کے درج بالا جذبات کی کلیتہً نفی ہوتی ہے۔

یو پی واحد صوبہ تھا جہاں مسلم لیگ جمعیت علماء ہند کے اشتراک عمل سے مستحکم صورت میں ابھری۔ یو پی میں صوبائی وزارت کی تشکیل' کانگریس نے مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۹ ـ ۱۹۵۸ء) کو تفویض کی۔ مولانا نے صوبے میں مسلم لیگی رہنماؤں چوہدری خلیق الزمان (۱۸۸۹ ـ ۱۹۷۳ء) اور نواب محمد اسمٰعیل خان (۱۸۸۶ـ ۱۹۵۶ء) سے تبادلہ خیال کیا اور انھیں وزارت میں شرکت سے متعلق شرائط پیش کیں۔ دونوں مسلم لیگی رہنماوں نے بالاخر کانگریس کی صوبائی وزارت کی پیشکش مسترد کر دی کیونکہ ان کے تسلیم کئے جانے کی صورت میں صوبے میں مسلم لیگ کی تنظیم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ مولانا آزاد' نواب محمد اسمٰعیل خان اور چوہدری خلیق الزمان کے مابین صوبائی وزارت کے مسئلے پر ہونے والی بات چیت تحریک پاکستان کا ایک نہایت اہم اور نزاعی معاملہ ہے۔ مولانا آزاد' جواہر لال نہرو (۱۸۸۹ ـ ۱۹۶۴ء) ' گاندھی (۱۸۶۹ ـ ۱۹۴۸ء) ' چوہدری خلیق الزمان اور نواب محمد اسمٰعیل نے اس پر مختلف زاویوں سے رائے کا اظہار کیا ہے۔ یو پی وزارت کی تشکیل سے متعلق مولانا آزاد نے اپنی سفارشات کے رد کر دیئے جانے پر نہرو اور گاندھی کو مورد الزام ٹھہرایا ہے اور اپنے آپ کو اس صورت حال سے بری الذمہ قرار دیا ہے۔ یو پی ہی سے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن عبدالوحید خان اور مسلم لیگ کونسل کے ایک اور رکن فضل الرحمن نے مولانا آزاد کی نگارشات کو جھوٹ کا پلندہ اور تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس صوبے میں مسلم لیگ کے ساتھ کانگریس کی معاندانہ روش نے نہ صرف یو پی بلکہ ہندوستان بھر میں مسلم لیگ کو ایک نئ جلا بخشی جس سے مسلم لیگ کے عوامی کردار میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ مولانا آزاد بہرحال مسلم لیگ کو نقصان پہنچانے میں یقیناً کسی حد تک کامیاب ہو گئے۔

یو پی اسمبلی کے ایک حلقے میں جمعیت کے صف اول کے رہنما مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کے برادر نسبتی حافظ محمد ابراہیم مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے۔ جب مولانا

آزاد، چوہدری خلیق الزمان اور نواب محمد اسمٰعیل خان سے وزارت میں شرکت کے عوض "مسلم لیگ کے پروانہ مرگ" پر دستخط کرانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو انہوں نے مولانا ابراہیم سے رابطہ قائم کیا اور انہیں مسلم لیگ سے بغاوت کر کے کانگریس کی وزات قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اس سلسلے میں مولانا آزاد کو مولوی بشیر احمد بھٹہ کی خدمات کے ساتھ ساتھ جمعیت کے صف اول کے رہنما مولانا حسین احمد مدنی کی تائید بھی حاصل رہی۔ مولانا بشیر احمد کا خشت سازی کا بھٹہ تھا۔ اس مناسبت سے انہیں "مولوی بھٹہ" کہا جاتا تھا چنانچہ حافظ محمد ابراہیم کو کانگریس کے قریب لانے کے عوض حافظ محمد ابراہیم کے دور وزارت میں مولوی بھٹہ کے کاروبار نے سرکاری سرپرستی میں خوب ترقی کی۔ حافظ محمد ابراہیم کی وزارت میں شرکت پر مسلم لیگ نے اعتراض کیا تو انہوں نے اکتوبر - نومبر ۱۹۳۷ء میں اپنی نشست سے مستعفی ہو کر کانگریس کے ٹکٹ پر دوبارہ انتخاب لڑا اور کامیاب ہوئے۔ (۱۸) اس کامیابی کے بعد مولانا مدنی نے مسلمانوں میں کانگریس کے نظریہ قومیت کے فروغ کے لئے ایک پرزور تحریک کا آغاز کیا۔ یہ تحریک اس قدر اہم تھی کہ اس نے جمعیت کی نظریاتی سوچ کو ایک نئی نہج پر ڈال دیا۔ مولانا نے اپنے حلقہ اثر میں تقاریر کے ذریعے رائے عامہ ہموار کرنا شروع کر دی چنانچہ جنوری ۱۹۳۸ء میں دہلی میں مولانا نے جو تقریر اس ضمن میں کی وہ باعث نزاع بن گئی جس میں مولانا نے یہ موقف اختیار کیا کہ:

> "قومیں اوطان سے بنتی ہیں نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں۔ دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں نصرانی بھی، پروٹیسٹنٹ بھی کیتھولک بھی یہی حال امریکہ جاپان اور فرانس وغیرہ کا ہے" (۱۹)

مولانا کے بیان کا بغور جائزہ لینے کے بعد شاعر اسلام حکیم الامت علامہ اقبال نے فوراً اس پر ایک رباعی کہہ ڈالی:

عجم ہنوز نہ داند رموز دین ورگنہ
حسین احمد زدیوبند چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ دین ز وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمدؐ عربی است

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است (۲۰)

اس واقعے کی ہندوستان کے طول و عرض میں تشہیر ہوئی۔ صحیح صورت حال کو واضح کرنے کے لئے جمعیت علماء ہند کے طالوت نامی کارکن نے مولانا مدنی اور علامہ اقبال سے خط و کتابت کی اور بالآخر اس غلط فہمی کا ازالہ ہو گیا۔ مولانا مدنی کا تردیدی بیان "میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت قبول کرنے کا مشورہ نہیں دیا" شائع شدہ روز نامہ احسان ۲۸ مارچ کے ساتھ' علامہ کا یہ دلچسپ مکتوب بھی چھپا:

> "مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کا نہیں رہتا۔ میں مولانا کے ان عقیدتمندوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنہوں نے ایک دینی امر کو توضیح کے سایہ میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں۔ خدا تعالیٰ ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید کرے نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں' میں ان کے کسی عقیدتمند سے پیچھے نہیں ہوں"۔ (۲۱)

اور یوں مولانا مدنی اور علامہ صاحب کے درمیان بظاہریہ بحث ختم ہو گئی مگر بعد ازاں مولانا مدنی نے پہلے سے کہیں زیادہ قوت کے ساتھ وطنی قومیت کا پرچار شروع کر دیا۔ مولانا نے کہا کہ "ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لئے کوئی رشتہ بجز متحدہ قومیت کے نہیں جس کی اساس محض وطنیت ہی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔" کانگریس کے اولین اجلاس ۱۸۸۵ء کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متصادم عناصر سے مرکب ہے۔ ان سب کو متفق اور متحد کر کے ایک قوم بنائی جائے یہی متحدہ قومیت انگلستان کے دل میں ہمیشہ سے کھٹکتی رہی ہے اور ہر انگریز اس کے زائل کرنے کے لئے ہر طرح سے ساعی ہے"۔ (۲۲)

الغرض کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین ۳۷ - ۱۹۳۶ء کے انتخابات کے بعد جنم لینے والی

سیاسی چپقلش کے نتیجے میں جمعیت علماء ہند دو گروہوں میں بٹ گئی ایک گروہ کانگریس کے نظریہ متحدہ قومیت سے منسلک ہو گیا مولانا سید حسین احمد مدنی اور مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی اس کے سرخیل تھے۔ جمعیت علماء ہند کے صدر مفتی کفایت اللہ اور ناظم مولانا احمد سعید دوسرے گروہ کے روح رواں تھے۔ مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید کو ہندووں کے ساتھ اشتراک عمل پسند نہیں تھا۔ آگے چل کر انہوں نے کانگریس کی مسلمانوں کے ساتھ عوامی رابطہ مہم کی پر زور مخالفت کی اور نہرو کے سوشلسٹ پروگرام کو ہدف ملامت بنایا۔ اس دھڑے بندی میں ایک مرتبہ پھر مولوی بھٹہ نے اہم کردار ادا کیا اور یہ سلسلہ ۱۹۳۹ء میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید کی جمعیت کی صدارت اور نظامت سے علیحدگی پر منتج ہوا اور ان عہدوں پر مولانا مدنی اور مولانا سیوہاروی مقرر کر دیے گئے (۲۳) ۔ تھوڑے ہی عرصے بعد مولانا احمد سعید نے بھی کانگریس نواز گروہ سے سمجھوتہ کر لیا جبکہ مفتی کفایت اللہ نے سیاسی سکوت اختیار کر لیا جو قیام پاکستان تک جاری رہا۔ مفتی کفایت اللہ کے مولانا مدنی صدر جمعیت کے ساتھ قریبی روابط رہے۔ ۱۹۴۵ء میں جب صدر جمعیت علماء ہند مولانا سید حسین احمد مدنی کی زیر قیادت ایک وفد نے صدر کل ہند جمعیت علماء اسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ قیام پاکستان پر تبادلہ خیال کیا تو مفتی کفایت اللہ مولانا مدنی کے وفد میں شامل تھے مگر مفتی صاحب نے بحث کے دوران خاموشی اختیار کئے رکھی۔ (۲۴)

جمعیت علماء ہند میں نظریاتی کشمکش کا ایک اور شاخسانہ جمعیت علماء ہند کانپور کا قیام تھا۔ یہ تنظیم جمعیت علماء ہند کے متوازی کام کرنے لگی۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ مولانا مظہرالدین (و۱۹۳۸ء) مدیر اخبار الامن (دہلی) جمعیت علماء ہند کانپور کے بانیوں میں شامل تھے۔ مولانا مظہر الدین ہندو احیاء سے متعلق شدھی اور سنگھ ٹن تحریکوں کے اولین مخالفین میں سے تھے۔ مولانا مسلم مفادات کو آنچ پہنچانے والی کسی تحریک کو ایک لحظہ برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے چنانچہ جب دیوبندی علماء کے ایک گروہ نے متحدہ قومیت کے سیاسی مسلک کو اپنایا تو مولانا مظہر الدین نے دہلی میں کانگریس کے ایک بڑے جلسے میں بلاخوف و خطر کھڑے ہو کر اعلان کیا' کہ مسلمان اسلام کو مسخ کرنے کی مذموم سازشوں کے فریق ' ہندوؤں کے دوست نہیں بن سکتے۔ (۲۵) مولانا مظہرالدین نے مسلم لیگ کی نظریاتی جدوجہد کا بھرپور ساتھ دیا اور اس کے پیغام کو

مسلم عوام تک پہنچانے کے لئے اپنے اخبار الامن کی خدمات مسلم لیگ کے لئے وقف کر دیں جمعیت علماء ہند کانپور کی ولولہ انگیز تحریک نے کانگریس نواز علماء کی سیاسی ساکھ کو بری طرح مجروح کر دیا بالآخر ۱۹۳۸ء میں مولانا کو قتل کر دیا گیا۔ قاتل جسے جمعیت علماء ہند کے ایک سرگرم رکن' کتب فروش کی در پردہ "اعانت مجرمانہ" حاصل تھی ارتکاب قتل کے وقت کہا "تم نے علمائے اسلام کی مخالفت کی اب اس کا مزہ چکھو"۔ (۲۶) ۔ مولانا کی وفات کے ساتھ ہی جمعیت علماء ہند کانپور کا وجود ختم ہو گیا'۔ الغرض قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کے تحت انتخاب لڑنے کے لئے جمعیت اور مسلم لیگ کے مابین طے پانے والا انتخابی سمجھوتہ وسیع تر اتحاد کی شکل اختیار نہ کر سکا اور جلد ہی جمعیت نے کانگریس کے متحدہ قومیت سے متعلق نظریے کے ساتھ اپنی وابستگی قائم کر لی جبکہ مسلم لیگ نے اس کی پرزور مخالفت کا بیڑا اٹھایا۔

جمعیت علماء ہند نے کانگریس کے ساتھ اشتراک کا دائرہ کار بڑی حد تک وسیع کر دیا جس کی بازگشت مارچ ۳ ۔ ۵' ۱۹۳۹ء کو دہلی میں منعقد ہونے والے سالانہ اجلاس میں بھی سنائی دی'۔ یاد رہے کہ ۱۹۳۷ء کے انتخابات کے فوراً بعد کانگریس کی کامیابی پر پھولا نہ سماتے ہوئے صدر کانگریس جواہر لال نہرو نے کہا تھا کہ مسلمانوں کے مسئلے کی نوعیت فرقہ وارانہ نہیں بلکہ اقتصادی ہے جسے اشتراکی اصولوں کے ذریعے حل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے جواہر لال نے مسلمانوں کے ساتھ عوامی رابطے کی مہم کا آغاز کیا۔ (۲۷) جمعیت کے مذکورہ بالا اجلاس میں اپنے استقبالیہ خطبے میں مولانا شوکت اللہ شاہ انصاری نے سوشلزم کی وکالت کرتے ہوئے کہا کہ علم تاریخ میں جس باب کا علامہ ابن خلدون" نے آغاز کیا تھا مارکس اسے مروجہ علوم اور سائنس کی مدد اور حکیمانہ حیثیت سے تکمیل تک پہنچا دیتا ہے" ' مولانا نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ " اقتصادیات میں مارکسیت نے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل حل کئے ہیں اور علم انسانی کو استحصال زدہ اور محروم دنیا کی حمایت میں استعمال کر کے اور طبقاتی جدوجہد کے تاریخی بل بوتے پر محنت کش طبقہ کو ایک حکیمانہ ہتھیار دیا ہے" ' اس طرح اسلامیان ہند کو سوشلزم کے ذریعے اپنا مستقبل سنوارنے کا مشورہ دیتے ہوئے مولانا نے اپیل کی کہ مسلمان زیادہ تعداد میں کانگریس میں شریک ہو کر اس کی مسلمانوں کے ساتھ عوامی رابطے کی مہم کو کامیاب بنائیں اگرچہ جمعیت نے کانگریسی وزارت کی نافذ کردہ واردھا تعلیمی اسکیم کو قابل اصلاح قرار دیا اور ودیا مندر

اسکیم کو جو سی پی میں رائج کی گئی تھی اس کے نام کی تبدیلی کا مطالبہ کیا (۲۸)

جمعیت علماء ہند کے کانگریس کے ساتھ تعاون کو مذہبی اور سماجی رنگ دینے کے عمل کو ہندوستان کے مسلمان معاشرے میں بالعموم اور علماء کے حلقوں میں بالخصوص بڑے تنفر سے دیکھا جانے لگ ۔ اس پس منظر میں یہ سوال ابھرنے لگا کہ مسلمان جمعیت علماء ہند میں شریک ہوں یا آل انڈیا مسلم لیگ میں اور از روئے شریعت کونسی جماعت مسلمانوں کے مفادات کی ترجمان ہے۔

چنانچہ ممتاز عالم دین اور روحانی شخصیت' مولانا اشرف علی تھانوی (۱۸۶۴ ۔ ۱۹۴۳ء) سے از روئے شریعت آل انڈیا مسلم لیگ اور جمعیت علماء ہند میں شرکت سے متعلق استفسار کیا گیا۔ مولانا تھانوی نے اپنی رائے ظاہر کرنے سے قبل دونوں مسلم جماعتوں کو ہندوستان کے سیاسی حالات اور ان کی تنظیموں کے اغراض و مقاصد سے متعلق سوالات پوچھے ۔ مولانا نے جمعیت علماء ہند کو یہ سوال نامہ جاری کیا:

(الف) جمعیت علماء کے نزدیک مذہبی حیثیت سے کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کیوں ضروری ہے اور اور کانگریس سے علیحدگی میں کیا ضرر ہے۔

(ب) کانگریس میں مسلمانوں کا داخلہ جس صورت سے انفرادی' غیر منظم اور غیر مشروط طریقہ پر اس وقت ہو رہا ہے اور مسلم نشتوں کیلئے کانگریس خود براہ راست امیدوار تجویز کرتی ہے کیا اس سے اسلام اور مسلمانان ہند کو خطرہ نہیں۔ اگر ہے تو اس خطرہ سے بچنے کی کیا صورت ہے۔

(ج) مسلم لیگ سے جمعیت علماء کو کیوں اختلاف ہے جبکہ وہ مسلمانوں کو منظم کر رہی ہے اور اس کا مقصد بھی آزادی کامل کی تحصیل ہے جیسا کہ اس سال لکھنؤ کے اجلاس میں اس نے اعلان کر دیا ہے۔

(د) اگر مسلم لیگ میں کچھ مفاسد اور منکرات شرعیہ موجود ہیں تو کیا یہ صورت ممکن نہیں کہ جمعیت علماء مسلم لیگ میں شریک ہو کر اس کو مخلص اور فعال لوگوں سے بھر دے اور مسلمانوں کی تنظیم کو مکمل اور مفاسد و منکرات سے پاک کر دے۔

(ہ) کیا مسلم لیگ اور جمعیت علماء کے تصادم سے مسلمانوں میں تشتت و افتراق پیدا نہیں ہوتا

اور کیا یہ تشتت مضر نہیں ؟ اگر ہے تو جمعیت علماء نے اس ضرر کے انسداد کیلئے کوئی صورت اختیار کی ہے یا نہیں۔ مولانا نے دیگر شبہات و اعتراضات کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا:

(۱) کانگریس کے ساتھ مل کر جو آزادی ہندوستان کو حاصل ہو گی اس کا انجام ایک حکومت مشترکہ کا قیام ہے جس میں عنصر کفر غالب اور عنصر اسلام مغلوب ہو گا ایسی حکومت اسلامی حکومت یقیناً نہ ہو گی تو اس کے لئے جدوجہد کرنا مسلمانوں کے ذمہ کس دلیل سے واجب ہے نیز اس کی کیا ضمانت ہے کہ ہندو انگریزوں کو ہندوستان سے بالکل بیدخل کرنا چاہتے ہیں اور ان کے ساتھ مسلمانوں پر حکومت کرنا نہیں چاہتے۔ کانگریس کے اقتدار سے اس وقت ہندوؤں کے حوصلے جس قدر بڑھنے لگے اور مسلمانوں پر بازاروں، دیہاتوں، ملازمتوں، سرکاری محکموں میں جو مظالم وہ برپا کرنے لگے ہیں جمعیت علماء نے ان کے انسداد کی کیا تدبیر سوچی ہے اور اس کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا ہے یا نہیں؟۔

(۲) کانگریسی وزارتوں نے زمینداروں کی اراضی کاشتکاروں کی مملوک بنا دینے کی جو تجویز سوچی ہے، یقیناً صریح ظلم ہے۔ اور جو لوگ کانگریس میں شریک ہیں وہ سب کے سب اس ظلم میں شریک ہیں پھر اس سے بچنے کی جمعیت علماء نے کیا کیا تدبیر کی اور کون سا عملی قدم اٹھایا ہے۔

(۳) کانگریس میں بندے ماترم کا گیت گایا جاتا ہے جو مضامین شرکیہ پر مشتمل ہے اور قومی جھنڈے کو سلامی دی جاتی ہے جو قریب بہ شرک ہے کانگریسی مسلمان بھی بندے ماترم کے گیت کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں اور قومی جھنڈے کو سلامی دیتے ہیں کیا ان افعال میں شرکت کرنا گناہ نہیں؟ اگر ہے تو جمعیت علماء نے مسلمانوں کو اس کے متعلق کیا ہدایت کی اور اس پر اور اسی قسم کی دوسری منکرات پر صدائے احتجاج بلند کی یا نہیں۔

(۴) صدر کانگریس اور اس کی ہم خیال جماعت جو اشتراکیت کی حامی اور مذہب اور خدا کی دشمن ہے ان کی تقریر خدا اور مذہب کے خلاف شائع ہوتی رہتی ہے جمعیت علماء نے ان کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند کی یا نہیں اور مسلمانوں کو ایسے کافروں کی تعظیم و تکریم سے روکا ہے یا نہیں۔

(۵) کانگریس کے ساتھ جو آزادی حاصل ہو گی اس کی کیا ضمانت ہے کہ اس میں مسلمانوں کے مذہبی و سیاسی حقوق کی پوری طرح حفاظت ہو گی جبکہ کانگریس اور اس کے ذمہ دار ان کے مذہب

اور حقوق کا نام لینا بھی جرم سمجھتے اور اس کو فرقہ پرستی قرار دیتے ہیں۔ نیز جمعیت علماء نے کانگریس کے ساتھ تعاون کر کے مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی حقوق کے تحفظ میں اس وقت تک کیا کام کیا۔

(۶) جمعیت علماء نے اچھوت قوموں میں تبلیغ اسلام کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا ہے یا نہیں جس کی مذہبا و سیاستہً سخت ضرورت ہے اور ان کے اسلام میں داخل ہو جانے کی بھی قوی امید ہے۔ (۲۹)

آل انڈیا مسلم لیگ سے یہ سوالات پوچھے گئے:

(۱) آپ کے نزدیک کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت سیاسی حیثیت سے کیوں مضر ہے اور اس سے علیحدگی کیوں ضروری ہے۔ اکثر لوگ پوچھتے ہیں تو ہم ناواقفیت کے سبب جواب نہیں دے سکتے۔

(۲) کیا بدون کانگریس کے تعاون کے ہندوستان کو آزادی مل سکتی ہے۔ اگر مل سکتی ہے تو اس کی جو صورت آپ کے ذہن میں ہو اس کو واضح فرمایا جاوے۔

(۳) کیا کانگریس سے مسلمانوں کی علیحدگی آزادی ہندوستان کے مسئلہ میں باعث تعویق و تاخیر نہ ہوگی۔

(۴) کیا مسلم لیگ تمام مسلمانوں کو یا ان کی زیادہ تعداد کو کانگریس سے روک سکتی ہے، بظاہر یہ امر مستبعد ہے۔ کانگریس میں پہلے ہی سے مسلمان بہت ہیں اور جب سے وزارت قبول کر کے وہ بر سراقتدار ہوئی ہے زیادہ تعداد اس میں شریک ہو رہی ہے پس اگر مسلم لیگ نے تھوڑے سے مسلمانوں کو کانگریس سے روک لیا تو کیا نفع کی امید ہے جبکہ زیادہ حصہ اس میں شریک ہوگا۔

(۵) کیا مسلم لیگ کے زیادہ تر ارکان انگریزوں کے حامی اور اندرونی طور پر ان کے بہی خواہ ہیں اور کیا بقول سر اکبر حیدری مسلم لیگ ایک برطانوی زہر ہے (مدینہ اخبار ۱۳ دسمبر ۳۷ء) اگر نہیں تو اس اعتراض کا اطمینان بخش جواب کیا دیا جاوے۔

(۶) مخالفین کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ ایک بے عمل جماعت ہے اور کانگریس کی طرح اس نے کوئی عملی قدم اب تک نہیں اٹھایا۔ نہ مسلمانوں کے فائدے کے لئے کوئی کام کیا

اور اس وقت کانگریس کے مقابلہ پر جو جدوجہد الیکشن لڑانے میں صرف کر رہی ہے مسلمانوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ انگریزوں کا نفع ہے کہ کانگریس کی قوت کمزور ہو کر آزادی ہندوستان کا مسئلہ تعویق میں پڑ جائے اس۔ اعتراض کا کیا حل ہے۔

(۷) مسلم لیگ نے اب تک مسلمانوں کی تنظیم اور ان کی مذہبی و تمدنی و اقتصادی ترقی کے لئے کیا طریق عمل اختیار کیا اور اس کے لئے کونسا عملی قدم اٹھایا' یا آئندہ کیا ارادہ ہے اور ذہن میں اس کی کیا صورت ہے۔

(۸) اگر کسی وقت ہر طرح سے اطمینان حاصل کر کے مسلم لیگ کو کانگریس میں شامل ہونے کی ضرورت ہوئی تو کیا مسلم لیگ کو توڑ کر اس میں شامل ہونے کی رائے ہے یا مسلم لیگ کو قائم رکھ کر مسلمانوں کے اقتدار کو برقرار رکھتے ہوئے شرکت رائے ہے۔

(۹) اگر علماء مسلم لیگ کا ممبر بننا چاہیں تو کیا ان کو بھی الیکشن ہی کے ذریعہ مسلم لیگ کا کوئی درجہ حاصل ہو گا جس سے ان کو مسلم لیگ کے اجلاس اور مجلس عاملہ وغیرہ میں اپنی رائے پیش کرنے کا حق ہو یا اگر وہ اس ذریعہ کو پسند نہ کریں تو ان کو بدون اس ذریعہ کے بھی ایسا درجہ مل سکے گا۔

(۱۰) مسلم لیگ میں علماء کی وقعت کس درجہ کی ہو گی اور بصورت اختلاف علماء کسی مسئلہ مختلف فیہا کو کس طرح طے کیا جائے گا۔ کیا اس کے لئے کوئی قاعدہ ذہن میں ہے ۔

(۱۱) جمعیت علماء ہند دہلی اور مسلم لیگ کے تصادم سے جو مسلمانوں میں تشتت و افتراق پیدا ہو رہا ہے لیگ نے اس کے ضرر کو محسوس کیا ہے یا نہیں اگر کیا ہے تو اس ضرر کے انسداد کی کوئی صورت باہمی اتفاق کی سوچی ہے یا سوچنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔

(۱۲) مسلم لیگ نے اچھوت قوموں میں تبلیغ اسلام کی ضرورت کو محسوس کیا ہے یا نہیں (جو نہ صرف مذہباً بلکہ سیاستہ نہایت ہی اہم ہے) اگر کیا تو اس کے لئے عملی قدم اٹھایا گیا ہے یا نہیں اور اس کا نتیجہ کیا ظاہر ہوا اگر اب تک نہیں کیا تو آئندہ کیا رائے ہے۔ (۳۰)

مسلم لیگ کے طویل جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ سیاسی حیثیت سے مسلمانوں کی کانگریس میں شرکت مضر ہے۔ مسلمان کانگریس کے بجائے لیگ میں شریک ہوں اور اسے مضبوط کریں

مسلمانوں کا مفاد لیگ سے وابستہ ہے۔ کانگریس میں مسلمانوں کی بڑی تعداد ہرگز شریک نہیں۔ مسلم لیگ مسلمانوں کے مفادات کی ترجمان ہے۔ مسلم لیگ سے متعلق کانگریس کا رویہ جارحانہ ہے مسلم لیگ مسلمانوں کی اقتصادی خوشحالی کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ مسلم لیگ مسلمانوں کے عظیم تر مفاد میں ہمیشہ قائم رہے گی۔ علماء کو مسلم لیگ میں خوش آمدید کہا جائے گا اور ان کی رائے کو اہمیت دی جائے گی۔ لیگ نے علماء کو اپنے پلیٹ فارم سے تبلیغی مشن شروع کرنے کے لئے پورے تعاون کا یقین دلایا۔ (۳۱)

مسلم لیگ کی طرف سے بھیجے گئے جوابات جنھیں صدر، مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ یو پی ' نواب محمد اسمٰعیل خان اور مسلم لیگ کے اخبار منشور کے مدیر سید حسن ریاض نے مرتب کیا اور جوائنٹ سکریٹری مسلم لیگی پارلیمنٹری بورڈ صوبہ متحدہ سید ذاکر علی نے مولانا کو بھم پہنچایا اس سے مولانا کی تسلی ہو گئی اور انھیں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جانچنے کے بعد مولانا تھانوی نے ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء کو تنظیم المسلمین عنوان سے اپنا فتوی جاری کیا اور مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شرکت کرنے اور اس کے اغراض و مقاصد کو عملی جامہ پہنانے میں مدد کرنے کی تلقین کی ۔ مولانا نے کہا "مسلم لیگی خالص کلمہ گویوں کی جماعت ہے اور کانگریس میں عنصر غالب غیر مسلمین کا ہے اور جو شخص اسلام کو حق جانتا ہو اس کو شریعت کے قریب لانا بالنسبت اس شخص کے جو شخص اسلام کو حق نہیں جانتا ظاہر ہے کہ سہل ہے۔ (میری رائے ہے) کہ مسلمانوں کو اطمینان و توکل کے ساتھ مسلم لیگ میں داخل ہو جانا چاہئے' پھر ان میں جو اہل قوت و اہل اثر ہیں ان کو اپنی قوت و اثر سے اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے۔ (۳۲) کانگریس نواز علماء کے خلاف اس فتوے کے رد عمل میں مولانا تھانوی کو کچھ تشدد پسندوں نے فتوی واپس لینے کی تاکید کی وگرنہ قتل کی دھمکی دی اور مولانا مظہرالدین مدیر الامن (دہلی) جیسے حشر کی وعید سنائی۔ مولانا مظہرالدین نے جمعیت علماء ہند کو اختلافات کی بنیاد پر چھوڑ کر جمعیت علماء ہند کانپور بنا لی تھی جس کی پاداش میں انھیں قتل کر دیا گیا تھا۔ (۳۳)

مسلم لیگ کے مخالفین علماء کا ایک بڑا اعتراض اس کے رہنماؤں کی مغربی طرز کی تعلیم اور رہن سہن تھا۔ مولانا تھانوی نے ان مسلمان رہنماوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے اور ان پر عمل کرنے کے لئے ان کے پاس وفود بھیجنے شروع کر دیئے اور اس مقصد کے لئے مولانا

نے تنظیم، مجلس دعوت الحق کی داغ بیل ڈالی مجلس دعوت الحق کے مقاصد یہ تھے:

(الف) تنظیم المسلمین و تعلیم المسلمین میں جو عوام و خواص کو تنظیم و تبلیغ کی ہدایت کی گئی ہے اس کے لئے ایک مرکز قائم کرنا (جس کا محل ابھی زیر غور ہے) اور تنظیم و تبلیغ کو وسیع پیمانہ پر ہندوستان میں پھیلانا۔

(ب) مسلم لیگ کے لیڈروں کو دینداری کی طرف متوجہ کرنا کیونکہ مسلم لیگ کو اس وقت مسلمانوں میں بڑی حد تک مرکزی شان حاصل ہے اس کے لیڈروں کی اصلاح سے بہت کچھ عوام کی اصلاح متوقع ہے۔

(ج) مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے ارکان کے پاس ان کے جلسوں میں یا خاص اوقات میں چند مخلصین کا وفد بھیجتے رہنا جو یہ بات ان کے ذہن نشین کر دے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ اتباع احکام الہیہ سے ہی کامیابی اور ترقی حاصل ہوئی ہے۔ محض اسباب ظاہرہ یا دیگر اقوام جیسا مظاہرہ مسلمانوں کے لئے ہرگز کافی نہیں۔

(د) مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کو شعائر اسلامیہ کی پابندی کی تبلیغ کرنا اور ان سے درخواست کرنا کہ مسلم لیگ کے ہر ممبر پر قانونی طور سے شعائر اسلامیہ کی پابندی کو لازم کیا جائے جس پر کامیابی موقوف ہے، اور قلوب اہل اسلام کا انجذاب بھی اسی سے ہوگا جو تنظیم کی بنیاد ہے۔ (۳۴)

اس مجلس کی شاخیں محلہ اور گاؤں تک قائم کر دی گئیں۔ (۳۵) یاد رہے کہ فتوی جاری کرنے سے قبل بھی مولانا تھانوی کانگریس کے متحدہ قومیت کے نعرے کے خلاف تھے چنانچہ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں جب ان کے مطابق کچھ لوگ مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں کانگریسی مسلک کی روح ڈالنا چاہتے تھے تو مولانا تھانوی نے مدرسے کی چانسلر شپ سے استعفی دے دیا۔ (۳۶) اور اس سلسلے میں کسی نظرثانی کو بھی مسترد کر دیا۔ (۳۷)

مولانا اشرف علی تھانوی کے فتوے نے آل انڈیا مسلم لیگ میں ایک نئی روح ڈال دی اور یہ جستہ جستہ عوامی رنگ اختیار کرنے لگی۔ مولانا کے متعلقین دیوبندی علماء نے جمعیت علماء ہند کو جو نظریاتی اعتبار سے کانگریس کے ساتھ منسلک تھی خیرباد کہہ کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرنا شروع کر دی۔ مولانا کو جمعیت علماء ہند کے اجلاس منعقدہ دہلی (۱۹۳۹ء) میں شرکت کی

خصوصی دعوت دی گئی۔ (۳۸) شرکت سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے مولانا نے اپنے ایک خط میں جمعیت کی کانگریس کی قربت کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھا کہ "مسلمانوں کا کانگریس میں شریک ہونا میرے لئے مذھبا مہلک ہے بلکہ کانگریس سے بے زاری کا اعلان کر دینا نہایت ضروری ہے۔ ۔۔ مسلمانوں کا کانگریس میں داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی دینی موت کے مترادف ہے"۔ (۳۹)

مولانا اشرف علی تھانوی کے فتوے اور متحدہ قومیت سے متعلق علامہ اقبال اور مولانا مدنی کی بحث نے جمعیت علماء ہند کی سیاسی ساکھ کو بری طرح متاثر کیا اور یوں عام مسلمان سوچنے لگا کہ کانگریس میں شریک ہو یا نہ ہو، اس ضمن میں دیوبندی علماء کو متعدد شرعی استفسارات روانہ کئے گئے۔ جامعہ قاسمیہ مراد آباد سے پوچھا گیا کہ ایک ایسا ملک جس کے باشندگان میں ایک چوتھائی سے زیادہ مسلمان ہوں اور اکثریت کفار کی ہو تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ وہ اپنے مذہبی فرائض کیسے انجام دیں بالخصوص جبکہ وہاں کی اکثریتی قوم مسلمانوں کے مذہبی فرائض مثلاً ذبیحہ گاؤ میں مخل ہوتی ہو۔ اس کے جواب میں مسلمانوں کو رسول اللہ کی مکی زندگی کی طرز پر تحمل سے کام لینے اور ملکی و ملی مصالح کے مطابق عمل کرنے کی ہدایت کی گئی۔ (۴۰) دوسرے سوال کے جواب میں ہندوؤں کے ساتھ اشتراک عمل جائز۔ (۴۱) اور تیسرے استفسار کے جواب میں آزادی کے حصول تک کانگریس کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرنے کو عین اسلام قرار دیا گیا فتوے میں کہا گیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ متسلط شہنشاہیت کے عذاب عظیم کو جلد از جلد ہندوستان سے نکال کر عالم اسلام کو پریشانی و بربادی سے بچائیں۔ (۴۲) یہ فتویٰ مولانا محمد میاں، مولانا سید فخرالدین احمد، مولانا عبدالحق، مولانا عبداللہ، مولانا واحد رضا اور مولانا سید محی الدین اختر الاسلام نے ۲۳ رمضان ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) کو جاری کیا۔ (۴۳) ایک اور استفسار، کیا مسلمان غیر مسلموں کافروں اور مشرکوں کے ہمراہ کانگریس میں شریک ہوں، کے جواب میں مولانا احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند نے اپنے فتوے میں شرکت کانگریس کو جائز قرار دیا اور یہ دلیل دی کہ کانگریس مشترکہ جماعت ہے اس کے قائد و صدر مسلمان بھی ہوتے رہے ہیں اور اس وقت بھی اس کی قیادت ایک عالم دین (مولانا ابو الکلام آزاد) کے ہاتھ میں ہے۔ (۴۴)

ہندوؤں کے ساتھ اشتراک عمل کو دینی بنیادوں پر جائز قرار دینے سے جمعیت علماء ہند اور کمزور ہو گئی۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے متعلقین اور ان کے مسلم لیگ میں شرکت سے متعلق فتوے کو درست خیال کرنے والے علماء کو علماء دیوبند کی کانگریس نوازی پسند نہیں آئی۔ دارالعلوم دیوبند کے چانسلر علامہ شبیر احمد عثمانی نے روز نامہ عصر جدید کلکتہ کے نام ایک خط میں اس صورت حال پر اظہار رائے کرتے ہوئے کہا کہ "قومیت متحدہ کا نظریہ جو کانگریس کے دستور اساسی کا پتھر ہے اس معنی میں کانگریس کے ہمنوا علماء کی رائے مجھے شرعی اعتبار سے تسلیم نہیں"۔ (۴۵) میرے نزدیک سب سے پہلے ایک اسلامی وحدت و مرکزیت پر زور دینے کی ضرورت ہے اس کے بدون کسی نام نہاد قومیت متحدہ کے تیز دہارے میں گھاس کے تنکوں کی طرح اپنے آپ کو ڈال دینا خود کشی کے مترادف ہے۔ (۴۶) دیوبند کے ایک اور ممتاز عالم دین مولانا محمد ادریس کاندہلوی (۱۸۹۸ - ۱۹۷۴ء) نے کہا کہ رسول اللہؐ نے کفار مکہ کے ساتھ کبھی مل کر حکومت قائم نہیں کی۔ (۴۷) دیوبندی مکتب فکر کی دوسری سرکردہ شخصیتوں میں سے مولانا ظفر احمد عثمانی (۱۸۹۳ - ۱۹۷۴ء)، (۴۸) مفتی جمیل احمد تھانوی (۱۹۰۵ - ۱۹۹۴)، مولانا خیر محمد جالندہری (و - ۱۹۷۰ء) اور مفتی محمد شفیع نے علامہ شبیر احمد عثمانی کے خیالات کی تائید کی۔ (۴۹) ادہر جمعیت علماء ہند کانگریس پر فریفتہ ہوئی جا رہی تھی باوجود اس کے کہ کانگریس نے مسلم اقلیتی صوبوں میں مسلم کش حکمت عملی پر عمل درآمد شروع کر رکھا تھا۔ مسلم تہذیب و ثقافت کو برباد کرنے اور مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی داستانیں راجہ سید محمد مہدی کی پیرپور رپورٹ، شریف رپورٹ اور وزیر اعلی بنگال کی مسلم سفرنگز انڈر کانگریس رول میں شائع ہوئیں تو ہندوؤں کے خلاف مسلمانوں کے دلوں میں نفرت کا سیلاب امڈ آیا۔ خود جمعیت علماء ہند کے رہنما مولانا احمد سعید نے اس کی مذمت کی اور مسلمان بچوں پر واردھا تعلیمی اسکیم مسلط کرنے کی صورت میں سول نافرمانی کی دھمکی دے دی۔ (۵۰) تاہم زیادہ تر جمعیت نے کانگریس وزارتوں کے خلاف لگائے الزامات کو بے بنیاد اور جھوٹ کے پہاڑ ہی قرار دیا۔ (۵۱) یہ خالصتاً کانگریس کا نقطہ نظر تھا۔ جمعیت علماء ہند کا اسے من و عن تسلیم کر لینا بین ثبوت تھا کہ علماء کو اپنے ہم مذہب بھائیوں سے ہندو زیادہ عزیز ہیں۔ دوسری طرف یہ کانگریس وزارتوں کے زخم خوردہ مسلمانوں کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے برابر تھا۔ دینی اعتبار سے جمعیت کے رہنما شرکت کانگریس کو جائز قرار دے کر اپنی ساکھ کو مجروح کر چکے تھے۔ ان تمام عوامل سے جمعیت کی مرکزی لیڈر شپ کو زبردست دھچکہ

لگا جس کی شدت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جمعیت علماء ہند کا دسواں سالانہ اجلاس یکم اپریل ۱۹۳۱ء کو منعقد ہوا مگر گیارہواں سالانہ جلسہ آٹھ سال بعد ۳ مارچ ۱۹۳۹ء کو منعقد ہوا۔ (۵۲) ادھر آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کا مرکز مسلمانوں کے قومی تشخص کو اجاگر کرنا بنا لیا تھا اور وہ اکثریت کے عفریت کے مقابلے میں مسلمانوں کی سیسہ پلائی دیوار بن چکی تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کے ہم خیال علماء نے مسلم ہندوستان کے مستقبل سے متعلق مسلم لیگ کی حکمت عملی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے زور شور سے حصہ لینا شروع کر دیا۔

تجزیہ

نہرو کمیٹی رپورٹ کے منظر عام پر آنے سے برصغیر ہند کی سیاست میں ایک نئے دور کی ابتدا ہوئی۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر مرتب شدہ آئین دراصل ہندوستان میں ہندو کی مکمل بالادستی اور رام راج کے احیاء کی جانب ایک اہم قدم تھا۔ مسلم لیگ اور جمعیت علماء ہند نے کانگریس کی اس درپردہ سازش کی پرزور مخالفت کی۔ ہندو سیاست کی آخری منزل کے تعین نے مسلم لیگ کے سیاسی کردار کی اہمیت کو اجاگر کر دیا اور مسلم لیگ کی قیادت ہندوؤں کے اس منصوبے کو عملی شکل میں مزاحمت کرنے والی واحد سیاسی جماعت نظر آنے لگی۔ جمعیت علماء ہند اور احرار مسلم لیگ کے اس قائدانہ کردار سے خوف زدہ ہو گئیں۔ چنانچہ نہرو رپورٹ کی مخالفت کے باوجود جمعیت نے احرار کے ہمراہ کانگریس کے ساتھ سیاسی اتحاد کی راہ اختیار کی۔ علماء نے ہندوستان کی ملت مسلمہ کو درپیش نازک صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لیئے مسلم لیگ کے لائحہ عمل کو از روئے شریعت درست قرار دیا۔ جمعیت اور احرار سے وابستہ علماء نے علماء کے ان خیالات پر مبنی فتووں کی مخالفت میں فتوے جاری کیئے اس ساری مہم کا اہم نکتہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی قیادت مسلم لیگ کے بجائے ان کے ہاتھ میں آئے۔ ہندوستان کی سب سے بڑی جماعت کانگریس کے ساتھ وابستگی کے ذریعے نیشنلسٹ علماء مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کی قوت فیصل بننا چاہتے تھے مگر اس صورت میں مسلمان آبادی ہندو کے رحم و کرم پر ہوتی عوام الناس نے اس سوچ کو شکست دی اور نہرو کمیٹی رپورٹ کے ایک عشرے بعد مسلم لیگ نے قرار داد لاہور منظور کر کے مسلم ہندوستان کی منزل تعین کر دی جو ۱۹۴۷ء میں حقیقت کا روپ اختیار کر گئی۔

حواشی

۱۔ انجمن خدام کعبہ سے متعلق تفصیل کے لئے دیکھیں:

M. Naeem Qureshi, The Khilafat Movement in India: 1919-1924, Ph.D. Thesis, University of London, 1973, MS.

----------, "Ali Brothers A Study in Political Partnership" Founding Fathers of Pakistan, Quaid-i-Azam University, Islamabad, 1981, pp.109-136.

۲۔ تفصیل کے لئے دیکھیں. The Khilafat Movement in India: 1919-1924.

۳۔ مولانا محمد میاں، جمعیت علماء ہند کی شرعی اہمیت اور اس کے اغراض و مقاصد و فہرست خدمات، مرکزیہ جمعیت علماء ہند، دہلی، تاریخ نہیں لکھی، ص ۹۔

۴۔ جمعیت علمائے ہند کے اساسی اصول و آئین و ضوابط جو دہلی کے عظیم الشان اجلاس منعقدہ ۶، ۸، ۹، ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹، ۲۰، ۲۱، نومبر ۱۹۲۰ء منظور ہو کر شائع ہوئے منشی عبدالقدیر و الاخوان تاجران کتب شہر، دہلی، ص ۲۔

5- Nehru Report, PP. 23-105 Dr. Waheed - uz- Zaman, Towards Pakistan, Publishers United Limited, Lahore, 1969, pp. 40-43.

۶۔ تفصیل دیکھیں. Waheed-uz-Zaman, OP. CiT., PP. 47-53.

۷۔ محمد کفایت اللہ، حسین احمد، حسرت موہانی، ابوالحاسن محمد سجاد، احمد سعید، تنقید و تبصرہ، مطبوعہ جدید برقی پریس، دہلی، ۱۹۲۸، ص ۲۳-۲۴

سید محمد میاں، جمعیت العلماء کیا ہے، یونین الیکٹرک پریس مراد آباد، ۱۹۴۱ء، ص ۱۵۔

۸۔ قائداعظم اور آل انڈیا مسلم کانفرنس کی چودہ نکاتی تجاویز کے متن کے لیئے دیکھیں:

G. Allana, Pakistan Movement Historic Documents, University of Karachi, Karachi, 1967, PP. 59 - 60. (Annex. I) Jamil-ud- Din Ahmad, Ed, Historic Documents of the Muslim Freedom Movement, Publishers United Ltd., Lahore, n. d., PP. 90-92 (Annex, II)

۹۔ تنقید و تبصرہ، ص ۸ - ۹۔

۱۰۔ مولانا احمد سعید، جمعیت علماء ہند کا فیصلہ: اجلاس امروہہ کی نہایت اہم تجویز، جمعیت علماء ہند دہلی، ۵ مئی ۱۹۳۰ء

۱۱۔ رئیس احمد جعفری، علی برادران، لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۵۵۸، اشرف عطاء، کچھ شکستہ داستانیں کچھ

پریشان تذکرے ' لاہور ' ۱۹۶۶ء ص ۴۸

۱۲۔ مولانا سید محمد قریش شمسی ' نظام نامہ کل ہند جمعیت علماء اسلام ' کلکتہ ' تاریخ نہیں لکھی ص ۴۳ - ۴۴۔
ایچ بی خان ' برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار ' قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت '
اسلام آباد ۱۹۸۵ء ' ص ۳۳۴ - ۳۳۵۔

S. shams ul Hasan, *Presidential Addresses of Mr. M.A. Jinnah,* Delhi, 1945, p. 4.
Syed Rais Ahmad Jafri, *Rare Documents,* Lahore, 1967, pp. 145-147.

۱۳۔ ایضاً۔

14. Members, of the All India Muslim League Parliamentary Board from Assam and Bombay.

Assam
1. Mr. Abdul Matin Choudhri
2. Mr. M.A. Razzaque

Bombay
1. Sir Suleman Cassim Mitha
2. Mr. R. M. Chinoy
3. Mr. Abubacker Beg Mohammed
4. Mr. Ismail Chundrigar
5. Thakore Sahib of Kerwada M.L.C.
6. Khan Bahadur Salahuddin.

All India Muslim League Central Board: Policy and Programme, n.d., n.p., pp. 2-4.
Professor M. Ashraf, Ed., *Iqraa: Quaid-e-Azam Centenary Number,* M.A.O. College, Lahore, 1976, pp. 54-56.

15. *Ibid.,* pp. 16-17.
Ashraf, *Op. Cit.,* pp. 68-69.

قرار داد میں مجتہدین سے مراد شیعہ مجتہدین تھی صوبہ پنجاب جمعیت علمائے اسلام کانفرنس لاہور منعقدہ ۲۵ - ۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس کی یوں وضاحت کی "مسلم لیگ کے شائع شدہ دستور میں یہ دفعہ موجود ہے کہ مسلمانوں کے تمام شرعی معاملات میں سینوں کے علماء اور شیعوں کے مجتہدین کی رایوں کو معتبر رکھا جائے گا" مولانا شبیر احمد عثمانی ' ہمارا پاکستان : خطبہ صدارت صوبہ پنجاب جمعیت علمائے اسلام کانفرنس لاہور ' ہاشمی بکڈپو ' لاہور ' ۱۹۴۶ء ' ص ۶۷۔

16- *Ibid.*, PP. 16-17, Ashraf, Op. Cit. PP. 68-69

فضل الحق کی پرجا پارٹی نے اس انتخابی منشور کی منظوری نہیں دی اور بالآخر انتخابات میں براہ راست حصہ لینے کا فیصلہ کیا تفصیل کے لئے دیکھیں:

A.S.M. Abdur Rab, *A.K. Fazlul Haq (Life and Achievements),* Ferozsons, Lahore, n.d., pp. 86-98.
M.A.H. Ispahani, *Qaid-e-Azam Jinnah: As I knew him,* Forward Publications Trust, Karachi, 1967, pp. 14-30.

۱۷۔ ایچ بی خان ایضاً ص ۳۳۸۔

۱۸۔ یو پی میں وزارت کی تشکیل سے متعلق مختلف نقطۂ نظر کے لئے دیکھیں

Michael Brecher, *Nehru: A Political Biography,* London, 1959, p. 231.

P.J. Griffiths, *The British Impact on India,* London, 1952, p. 342.
Frank Moraes, *Jawaharlal Nehru, A Biography,* New York, 1956, p. 268.
B.R. Ambedkar, *Pakistan or the partition of India,* Bombay, 1946, p. 27.

Choudhry Khaliquzzaman, *Pathway to Pakistan,* Longmans, Lahore, 1961, pp. 162-163. Waheed-uz-Zaman, *Op. Cit.,* pp. 87-91.

R. Coupland, *Indian Politics: 1936-1942,* London, 1943, p. 112. Abdul Waheed Khan, *India Wins Freedom: The Other Side,* (Foreword by Fazal ur Rehman) Pakistan Educational Publishers Ltd, Karachi, 1961, pp. i-x, 65-99. Maulana Abul Kalam Azad, *India Wins Freedom.* Orient Longmans, Calcutta, 1964, pp. 160-162. Jamil-ud-Din Ahmad, "League-Congress Negotiations (1937-40)" in *A History of the Freedom Movement,* Volume IV, Parts I & II, Pakistan Historical Society, Karachi, 1970, pp. 51-72. Ispahani, *Op. Cit.,* pp. 30-36.

دیوبندی علماء کی سیاسی خدمات سے متعلق متعدد کتب کے مصنف اور جمعیت علماء ہند کے سرگرم رکن مولانا سید محمد سجاد اور مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی نگارشات میں اس موضوع پر سکوت اختیار کیا ہے۔ مصنف

۱۹۔ طالوت، نظریہ قومیت اور مولانا حسین احمد مدنی و علامہ اقبال، کتب خانہ صدیقیہ ڈیرہ غازی خان، تاریخ نہیں لکھی، ص ۲۰۔

۲۰۔ اقبال، ارمغان حجاز، لاہور، ۱۹۷۰ء، ص ۲۷۸۔ اعجاز الحق قدوسی، اقبال اور علمائے پاک و ہند، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۳۸۱ ۔ ۳۸۲۔ بشیر احمد ڈار، انوار اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۶۸ ۔ ۱۷۰

۲۱۔ ایضاً۔

تفصیل کے لئے دیکھیں، روزنامہ احسان، لاہور، ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء ۔ نظریہ قومیت اور مولانا حسین احمد مدنی و علامہ اقبال، ص ۴۶ ۔ ۴۸۔

Professor Qadeer-ud-Din Khan, "Iqbal Husain Ahmad Controversy" Dawn (Karachi), April 24, 1978.

چوہدری حبیب احمد، تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، البیان، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۲۴۴-۲۵۳، ۲۶۴ ۔ ۲۷۲۔

۲۲۔ نظریہ قومیت اور مولانا حسین احمد مدنی و علامہ اقبال، ص ۲۷ ۔ وطنی قومیت سے متعلق مولانا کی نگارشات، ان کے ناقدانہ جائزے، علامہ اقبال کے نقطہ نظر فلسفہ سیاسیات اور حدیث نبوی پر مبنی بحث کے لئے دیکھیں سید عبدالصمد پیرزادہ "متحدہ قومیت، علامہ اقبال اور مولانا مدنی" ادبیات، شمارہ ۱۸، جلد ۵ سرما ۱۹۹۲، اسلام آباد، ص ۱۵۷ ۔ ۱۶۷۔

۲۳۔ برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار، ص ۳۶۲ ۔ ۳۶۷۔

Ishtiaq Husain Qureshi, Ulema in Politics , Ma,aref Ltd,. Karachi, 1972, PP. 348 - 350.

۲۴۔ مکالمۃ الصدرین یعنی وہ تاریخی معرکۃ الارا مکالمہ جو حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی صدر آل انڈیا جمعیت العلمائے اسلام اور حضرت مولینا حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیت العلمائے ہند و دیگر اکابر جمعیت العلمائے ہند کے درمیان یکم محرم ۱۳۶۵ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو بمقام دیوبند ہوا، ہاشمی بکڈپو لاہور، تاریخ نہیں لکھی، ص ا-۱۱۔

25- Qureshi, Op. Cit, PP. 356 - 357.

26- Ibid.

27- M. Gwyer and A. Appadorai, Speeches and Documents on the Indian Constitution, 1921 - 47, Vol, 1, London, 1957, PP. 422 - 423.

۲۸۔ پروین روزینہ، مدیر، جمعیت العلماء ہند: دستاویزات مرکزی اجلاس ہائے عام ۱۹۱۹ - ۱۹۴۵، جلد دوم، اسلام آباد، ۱۹۸۱ء، ص ۶۲۵ - ۶۲۶۔

۲۹۔ مولانا محمد شفیع، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ یعنی سیاسیات حاضرہ مسلم لیگ و کانگریس وغیرہ کے متعلق حضرت مجدد الملت حکیم الامت سیدی وسندی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے ارشادات کا مجموعہ، دارالاشاعت، دیوبند، ۱۳۶۵ھ، ص ۵۳ - ۵۴۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۵۵ - ۵۶۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۵۷ - ۶۴

مولانا کے ہر دو تنظیموں کو بھیجے گئے سوالات کا عمومی رویوں سے تعلق تھا لیکن جلد ہی سہارنپور کی اسمبلی کے ضمنی انتخاب کے متعلق مولانا سے پوچھا گیا جہاں مسلم لیگ اور کانگریسی مسلمان امیدوار ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے تھے امیدوار کی حمایت کرنے سے متعلق سوال کر دیا گیا۔ ایضاً، ص ۶۵ - ۶۶

۳۲۔ ایضاً، ص ۶۷ - ۸۳۔

۳۳۔ ایضاً، ص ۸۴ - ۸۸۔

مولانا مظہر الدین نے جمعیت علماء ہند کانپور قائم کرنے کے بعد بالآخر مسلم لیگ میں شرکت کر لی اور اس میں گرمجوشی سے حصہ لیا۔ ایضاً۔ مولانا کے قتل سے متعلق بیان کا ماخذ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ہیں۔

Qureshi, Op. Cit, P. 387.

منشی عبد الرحمن خان، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، شیخ اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۱۱۶۔

۳۴۔ افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، ص ۹۷۔

مولانا محمد اشرف علی تھانوی، مجلس دعوت الحق، مطبوعہ ایجوکیشن پریس، کراچی، ۱۹۳۸ء، ص ۹۔

۳۵۔ مجلس دعوت الحق ص ۱۰ ۔ ۳۲'

۳۶۔ پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی' انوار عثمانی' مکتبہ اسلامیہ' کراچی ۱۹۶۶ء' ص ۵۵۔ ۵۶

۳۷۔ ملاحظہ ہو علامہ شبیر احمد عثمانی کا خط' ایضاً' ص ۵۳ ۔ ۵۴۔

۳۸۔ افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ' ص ۸۸۔

۳۹۔ ایضاً۔

۴۰۔ جواز شرکت کانگریس اور ازالہ شکوک یعنی مجموعہ فتاوی و ارشادات' مرکزیہ جمعیت علماء ہند' دہلی' تاریخ نہیں لکھی' ص ۱۸۔ ۲۶۔

۴۱۔ ایضاً' ص ۲۶ ۔ ۳۱۔

۴۲۔ ایضاً' ص ۳۱ ۔ ۳۳۔

۴۳۔ ایضاً۔

۴۴۔ ایضاً' ص ۳۹ ۔ ۴۷۔

۴۵۔ پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی' خطبات عثمانی' نذر سنز' لاہور' ۱۹۷۲ء' ص ۶۶ ۔ ۶۷۔

۴۶۔ ایضاً ۔

۴۷۔ محمد میاں صدیقی' تذکرہ محمد ادریس کاندہلوی' مکتبہ عثمانیہ' لاہور' ۱۹۷۷ء' ص ۱۹۲ ۔ ۱۹۳۔

۴۸۔ عبدالشکور ترمذی' تذکرۃ الظفر' مکتبہ علمی کمالیہ' فیصل آباد' ۱۹۷۷ء' ص ۳۵۵ ۔ ۳۵۸۔

۴۹۔ مفتی جمیل احمد تھانوی سے ذاتی انٹرویو۔

۵۰۔ مدینہ بجنور' ۱۳ مارچ ۱۹۳۹ء۔ جمیعت العلماء کیا ہے' ص ۴۹ ۔ ۵۰

۵۱۔ محمد میاں' مولانا ظفر احمد کے فتوے پر تبصرہ' ص ۱۳ ۔ ۱۵

۵۲۔ پروین روزینہ ایضاً۔

ANNEXURE I

1929

"Jinnah's fourteen points", March 1929

(1) The form of the future constitution should be federal with the residuary powers vested in the provinces.

"(2) A uniform measure of autonomy shall be granted to all provinces.

(3) All legislatures in the country and other elected bodies shall be constituted be the definite principle of adequate and effective representation of minorities in every province without reducing the majority in any province to a minority or even equality.

"(4) In the Central Legislature, Muslman, representation shall not be less than one-third.

"(5) Representation of communal groups shall continue to be by means of separate electorates as at present: provided it shall be open to any community, at any time, to abandon its separate electorate in favour of joint electorate.

"(6) Any territorial redistribution that might at any time be necessary shall not, in any way, effect the Muslim, majority in the Punjab, Bengal and N.W.F. Province.

"(7) Full religious liberty, i.e., liberty of belief, worship and observance, propaganda, association and education, shall be guaranteed to all communities.

"(8) No bill or resolution or any part thereof shall be paused in any legislature or any other elected body if three-fourths of the members of any community in that particular body oppose such a bill, resolution or part thereof on the ground that it would be injurious to the interest of the community or in the alternative, such other method is devised as may be found feasible and practicable to deal with such cases.

"(9) Sind should be separated from the Bombay Presidency.

"(10) Reforms should be introduced in the N.W.F. Province and Baluchistan on the same footing as in other Provinces.

"(11) Provision should be made in the constitution giving Muslims an adequate share along with the other Indians, in all he services of the State and in local self-governing bodies having due regard to the requirements of efficiency.

"(12) The constitution should embody adequate safeguards for the protection of Muslim culture and for the protection and promotion of Muslim education, language, religion, personal laws and Muslim charitable institutions and for their due share in the grants-in-aid given by the State and by the self-governing bodies.

"(13) No cabinet, either Central of Provincial, should be formed without there being a proportion of at least one-third Muslim Ministers.

"(14) No change shall be made in the constitution by the Central Legislature except with the concurrence of the States constituting the Indian Federation."

ANNEXURE II

Resolution passed at the All-Parties Muslim Conference, held at Delhi under the presidentship of H.H. the Aga Khan, 1st January 1929

Whereas, in view of India's vast extent and its ethnological, linguistic, administrative and geographical or territorial divisions, the only form of Government suitable to Indian conditions is a federal system with complete autonomy and residuary powers vested in the constituent States, the Central Government having control only of such matters of common interest as may be specifically entrusted to it by the Constitution;

And whereas it is essential that no Bill, resolution, motion, or amendment regarding inter-communal matters be moved, discussed or passed by any legislature, central or provincial, if a three-fourth majority of the members of either the Hindu or the Muslim community affected thereby in that legislature oppose the introduction, discussion or passing of such Bill, resolution, motion, or amendments;

And whereas the right of Muslims to elect their representatives on the various Indian Legislatures through separate electorates is now the law of the land and Muslims cannot be deprived of that right without their consent;

And whereas in the conditions existing at present in India and so long as those conditions continue to exist, representation in various Legislatures and

other statutory self-government bodies of Muslims through their own separate electorates is essential in order to bring into existence a really representative democratic Government;

And whereas as long as Mussalmans are not satisfied that their rights and interests are adequately safeguarded in the constitution, they will in no way consent to the establishment of joint electorates, whether with or without conditions;

And whereas for the purposes aforesaid, it is essential that Mussalmans should have their due share in the central and provincial cabinets;

And whereas it is essential that representation of Mussalmans in the various legislatures and other statutory self-governing bodies should be based on a plan whereby the Muslim majority in those provinces where Mussalmans constitute a majority of population shall in no way be affected and in the provinces in which Mussalmans constitute a minority they shall have a representation in no case less than that enjoyed by them under the existing law;

And whereas representative Muslim gatherings in all provinces in India have unanimously resolved that with a view to provide adequate safeguards for the protection of Muslim interests in India as a whole, Mussalmans should have the right of 33 per cent representation in the Central Legislature and this Conference entirely endorses that demand;

And whereas on ethnological, linguistic, geographical and administrative grounds the province of Sind has no affinity whatever with the rest of the Bombay Presidency and its unconditional constitution into a separate province, possessing its own separate legislative and administrative machinery on the same lines as in other provinces of India, is essential in the interests of its people, the Hindu minority in Sind being given adequate and effective representation in excess of their proportion in the population, as may be given to Mussalmans in provinces in which they constitute a minority of population;

And whereas the introduction of constitutional reforms in the N.W.F. Province and Baluchistan along such lines as may by adopted in other provinces of India is essential not only in the interests of those provinces but also of the constitutional advance of India as a whole, the Hindu minorities in those provinces being given adequate and effective representation in excess of their proportion in population, as is given to the Muslim community in provinces in which it constitutes a minority of the population;

And whereas it is essential in the interests of Indian administration that provision should be made in the constitution giving Muslims their adequate share along with other Indians in all services of the State and on all statutory self-governing bodies, having due regard to the requirements of efficiency;

And whereas having regard to the political conditions obtaining in India, it is essential that the Indian Constitution should embody adequate safeguards for protection and promotion of Muslim education, Languages, religion, personal law and Muslim charitable institutions, and for their due share in grants-in-aid;

And whereas it is essential that the constitution should provide that no change in the Indian constitution shall, after its inauguration, be made by the Central Legislature except with the concurrence of all the States constituting the Indian federation;

This Conference emphatically declares that no constitution, by whomsoever proposed or devised, will be acceptable to Indian Mussalmans unless it conforms with the principles embodied in this resolution.